© rasailojaraid.com

اداریہ

علامہ محمد اقبالؒ کے افکار اپنی ہی سرزمین میں اجنبی؟

لاہور کی علمی زندگی کا شاید یہ پہلا واقعہ ہے کہ آج یہاں[1] اس موضوع پر بات چیت ہو رہی ہے کہ علامہ محمد اقبال کے افکار اپنی ہی سرزمین میں کیوں پنپ نہیں سکے؟ حالانکہ اقبال ان چند شخصیات میں سے ہیں جو برصغیر کی جدید تاریخ میں مستند شمار کی جاتی ہیں۔ اقبال نے اپنے معروف انگریزی لیکچرز میں ایک انگریز مفکر ہوبز (Hobbes) کے حوالے سے یہ اچھوتا نکتہ بیان کیا ہے: ''ایک ہی طرح کے خیالات و احساسات کا تواتر اس بات کی علامت ہے کہ یہاں فکر و احساس کا فقدان ہے۔ آج زیادہ مسلم ممالک کا یہی حال ہے۔ وہ مشینی انداز میں پرانی قدروں کو دہرا رہے ہیں[2]۔''

اقبال کے افکار پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، ہم اُنہیں یہاں ''مشینی انداز میں'' دہرانا نہیں چاہتے، البتہ آج کے موضوع پر بات چیت کرنے کے لیے نہایت ہی اختصار سے اقبال کے چند افکار کا تذکرہ ضروری ہے۔ اقبال نے اُردو کے معروف شاعر اکبر الٰہ آبادی کے ایک شعر کی فلسفیانہ تشریح کرتے ہوئے ۱۹۱۷ء میں نتشے اور جلال الدین رومی کے بارے میں لکھا تھا: ''نتشے کو اپنے ماحول میں نوعِ انسانی کا انحطاط نظر آیا۔ اس نے ان غیر مرئی طاقتوں کو منکشف کیا، جو اس انحطاط کے لیے کوشاں تھیں اور اس طرزِ زندگی کی جھلک دِکھانے کی کوشش کی جو ہمارے سیارے کے لیے موزوں تھی... اسی عہد میں مشرق میں عظیم رومی نمودار ہوئے جب

---

(۱) استحکامِ پاکستان فورم نے ۱۹ اپریل ۲۰۰۲ء کو ہمدرد فاؤنڈیشن میں اس موضوع پر مذاکرہ کا اہتمام کیا تھا۔

(2) To have a succession of identical thoughts and feelings is to have no thoughts and feelings at all. Such is the lot of most Muslim countries. (Reconstruction of Religious Thought in Islam (Lahore, 1986), P.128-29.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلم دنیا کے طرزِ فکر و ادب نے مسلم ایشیا کا تقریباً سارا خون نچوڑ لیا تھا اور تاتاریوں کی بلامزاحمت فتح کے لیے راہ ہموار کر دی تھی[۳]۔"

یہ تحریر بتا رہی ہے کہ جب اقبال ایک انحطاط پذیر معاشرے میں نئے انسان کی تلاش میں نتشے اور رومی کا ذکر فرما رہے تھے تو اُنھیں اس بات کا احساس تھا کہ فطرت نے اُنھیں بھی برصغیر کے انحطاط پذیر معاشرے میں ایک نئے انسان کی تلاش کے لیے بھیجا ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے بھی نتشے کی طرح "اُن غیر مرئی طاقتوں کو منکشف کیا جو اس انحطاط کے لیے کوشاں تھیں۔"

۱۔ اخلاقی اور تعلیمی بحران:

اقبال نے ۱۹۰۹ء میں اسلام کے اخلاقی اور سیاسی تصور کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

"اسلام اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ کائنات اور اس میں جو کچھ ہے، ایک حقیقت ہے۔ ہر چند وہ اس کائنات میں دُکھ (Pain)، گناہ (Sin) اور کائنات میں انسانی جدوجہد کا بھی اعتراف کرتا ہے، انسان کی اخلاقی زندگی کا سب سے اونچا مقام یہ ہے جب وہ خوف اور غم سے مکمل طور پر نجات حاصل کر لیتا ہے، کیوں کہ یہ خوف ہی ہے جو انسان کے اخلاقی ارتقاء کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ انسان کا بنیادی مزاج عقل نہیں، قوتِ ارادی (Will) ہے اور تعلیم کا مقصد اسی قوتِ ارادی (Will) کی تربیت ہے۔ عقل (Intellect) کی تربیت نہیں، جیسا کہ آج سمجھ لیا گیا ہے... چنانچہ اسلام کا اخلاقی تصور انسان کو خوف سے نجات اور اسے اس کی اپنی شخصیت کا احساس دلاتا ہے کہ وہ طاقت کا سرچشمہ ہے، اور نیکی نام ہے طاقت اور قوت کا اور برائی عبارت ہے کمزوری سے۔ چنانچہ انسان اپنی شخصیت سے آگاہی کے بعد ہی بے خوف وخطر خدا کی سرزمین پر چل پھر سکتا ہے۔ نیز یہ کہ وہ دوسروں کی شخصیت کا بھی احترام کرتا ہے۔ اس طریق سے وہ مکمل طور پر اخلاقی انسان بن جاتا ہے۔

(3) Speeches, Writings and Statements of Iqbal (Lahore 1977), p. 126-128.
نیز ملاحظہ ہو: افکارِ پریشاں (Stray Thoughts) از محمد اقبال، بحوالہ "فکر و نظر" (جنوری-فروری ۱۹۷۸ء) اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ص ۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحت مند اور توانا اخلاقی انسان کی تشریح کرتے ہوئے اقبال نے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۷۷ کا حوالہ دیا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ نماز میں مشرق یا مغرب کی طرف رُخ کرنے کا نام ''بِرّ'' (Virtue) نہیں ہے، بلکہ 'بِرّ' (نیکی) تو نام ہے، خدا سرشاری اور انسان دوستی کا، جس کے لیے قرآن نے لفظ تقویٰ بولا ہے۔

اسلام کے اخلاقی نظریہ کو بیان کرتے ہوئے اقبال نے یہ بھی کہا کہ پرانی دُنیا کی اخلاقی قدروں کو جن سے انسانی وقار مجروح ہوتا ہے، ڈھانا فلسفۂ اخلاق کا کام ہے۔ مزید یہ کہ اسلام کے نظامِ اقدار و قانون میں انسانی شخصیت کو ایک رہنما اصول کی حیثیت حاصل ہے۔ اخلاقی نظریہ کی تشریح کے بعد اقبال لکھتے ہیں کہ کیا ہندوستانی مسلمان اس نظریہ پر پورے اترتے ہیں؟ اس کے جواب میں ہمیں دیکھنا ہوگا کہ کیا ہندوستانی مسلمان ایک مضبوط کیریکٹر کے مالک ہیں؟ کیا وہ ہماری قومی زندگی کی مخالف طاقتوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ صحیح بات تو یہ ہے کہ مذہبی روح کے انحطاط اور دوسرے سیاسی عوامل نے ہندوستانی مسلمان کے مزاج کو بگاڑ دیا ہے۔ چنانچہ اس نے دوسروں پر تکیہ کرنے کی عادت اور اپنی روحانی کاہلی کو صبر و قناعت کا 'باوقار' نام دے کر مسلمانوں کو جدوجہد سے محروم کر دیا ہے۔ وہ اپنی انفرادی اور جماعتی زندگی میں جن خطوط پر کام کر رہے ہیں، اس کا نتیجہ مکمل بربادی کے سوا کچھ اور نہیں۔

اخلاقی انحطاط کو بیان کرنے کے بعد اقبال لکھتے ہیں: ''آج ہم سے کہا جاتا ہے کہ تعلیم سے مطلوبہ تبدیلی عمل میں آئے گی۔ لیکن میں اخلاقی تربیت کے لیے موجودہ تعلیم پر یقین نہیں رکھتا[۴]''۔ جدید تعلیم کے ناپسندیدہ اثرات کا ذکر کرتے ہوئے اقبال نے ۱۹۳۲ء میں مرحوم سیّد سلیمان ندوی کو لکھا تھا: ''مسلمانوں کا مغرب زدہ طبقہ نہایت پست فطرت ہے[۵]''۔ اقبال نے ایک دوسرے مقام پر قدیم تعلیم یافتہ گروہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''تمہارے دین کی یہ عظیم الشان بلند نظری ملاؤں اور فقیہوں کے فرسودہ اوہام میں جکڑی ہوئی ہے اور آزادی چاہتی ہے۔

(4) See: Speeches, Writings and Statements of Iqbal, p.85-97.

(۵) شیخ عطاء اللہ: اقبال نامہ، لاہور، (ج ا، ص ۱۶۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روحانی اعتبار سے ہم حالات وجذبات کے قید خانے میں محبوس ہیں، جو صدیوں کی مدت میں ہم نے اپنے گرد خود تعمیر کر لیا ہے اور ہم بوڑھوں کے لیے شرم کا مقام ہے کہ ہم نوجوانوں کو ان اقتصادی، سیاسی بلکہ مذہبی بحرانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بنا سکے۔ جو زمانۂ حاضر میں آنے والے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ساری قوم کی موجودہ ذہنیت کو یکسر تبدیل کر دیا جائے۔ تاکہ وہ پھر نئی آرزوؤں، تمناؤں اور نئے نصب العین کی امنگ کو محسوس کرنے لگے۔[۶]"

آخر میں مسئلہ تعلیم پر لکھتے ہوئے اقبال فرماتے ہیں: "کاش ہمارے اپنے سکول، کالج اور یونیورسٹیاں ہوتیں، جو ہماری تاریخی اور اجتماعی روایت کو زندہ رکھتیں اور ہمیں ایک اچھا اور پرامن شہری بنانے کے ساتھ ساتھ ہم میں ایک آزاد اور قانون کی پابندی کرنے والی روح پیدا کرتیں، جو سیاست میں نہایت ہی پاکیزہ روایات قائم کرنے کا سرچشمہ بنتی۔"

اخلاقی اور تعلیمی تصورات پر لکھنے کے بعد آپ نے نہایت ہی کرب سے لکھا: "میں اس راہ میں آنے والی مشکلات کے بارے میں حساس ہوں۔ میں یہاں صرف یہ کہوں گا کہ اگر ہم نے اپنی مشکلات پر قابو نہ پایا تو دُنیا جلد ہی ہم سے اپنی جان چھڑا لے گی۔[۷]"

۲۔ معاشی انصاف اور سوشلزم:

اقبال انسان کو ایک باوقار انسان کی حیثیت سے دیکھنا چاہتے ہیں جو سیاسی جبر وتسلط اور معاشی استحصال کے خوف سے آزاد ہو کر خدا کی سرزمین پر زندگی سے لطف اندوز ہو سکے۔ چنانچہ اقبال نے جہاں اپنی نظم ونثر میں مغربی سامراج کی شدید مذمت کی ہے وہاں اُنہوں نے کھل کر مارکس اور لینن کی تعریف کی ہے۔ جن کے نظریات کے سانچے میں آنجہانی سویت

(۶) فکر ونظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، جنوری-فروری ۱۹۷۸ء، ص ۷۰ (اقبال نمبر)، بحوالہ روزنامہ انقلاب، لاہور، ۲۲ر مارچ ۱۹۳۲۔ یاد رہے کہ اقبال نے ۱۹۳۲ء میں بیت المقدس میں جامعہ الازھر، قاہرہ کی طرز پر یونیورسٹی کے قیام کی مخالفت کی تھی، جو لوگ بیت المقدس میں ہبرو (Hebrew) یونیورسٹی کی علمی سرگرمیوں سے آگاہ ہیں، وہ صحیح معنوں میں اقبال کی ناقدانہ بصیرت کی گہرائی کا اندازہ لگا سکیں گے۔

(7) "I am quite sensible of the difficulties that lie in our way. all that I can say is that if we cannot get over our problems. the World will soon get rid of us." (Speeches, writings and Statements, p.97)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یونین میں آدم ایک نیا جنم لے رہا تھا۔ اقبال کا سوشلزم سے متاثر ہونا کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ اُنہوں نے ۱۹۰۳ء میں اپنی کتاب ''علم الاقتصاد'' میں صاف طور پر لکھا: ''تمدن انسانی کی ابتدائی صورتوں میں ملکیت یا جائدادِ شخصی کا وجودِ مطلق نہ تھا۔ محنت کی پیداوار میں حسبِ ضرورت ہر شخص کا حصہ تھا... نہ کہیں افلاس کی شکایت تھی، نہ چوری کا کھٹکا تھا... یہ مشارکت جو ابتدائی تمدن میں انسان کا اصولِ معاشرت تھی، ہمارے ملک کے اکثر دیہاتوں میں اس وقت بھی کسی نہ کسی شکل میں مروج ہے۔ زمانۂ حال کے بعض فلسفی اس بات پر مصر ہیں کہ تمدن کی یہی صورت اعلیٰ و افضل ہے۔''[۸]

اس کتاب میں اُنہوں نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، تیس سال کے بعد بھی اُنہوں نے انہی خیالات کا اظہار اپنے متعدد شعری مجموعوں میں کیا۔ اُنہوں نے اپنی نظم ونثر میں جس خوب صورتی سے سامراج اور سرمایہ داری کی مذمت کی ہے، اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح ہوگا کہ وہ معاشی انصاف اور فلاحی معاشرہ کی تشکیل کے لیے سوشلزم کے نقطۂ نظر سے بہت حد تک اتفاق رکھتے تھے۔ البتہ مارکس اور لینن کی مذہب دشمنی سے اُنہیں اتفاق نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود اُنہوں نے لینن کو خدا کے حضور یہ کہتے ہوئے سنا:

جب تک میں جیا خیمۂ افلاک کے نیچے
کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات

وہ کون سا آدم ہے کہ تو جس کا ہے معبود
وہ آدمِ خاکی کہ جو ہے زیرِ سماوات

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تیری، منتظر روزِ مکافات

---

(۸) علم الاقتصاد (لاہور، ۱۹۷۷ء)، ص ۱۹۵، (مطبوعات اقبال اکادمی)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشی مسائل اور بندۂ مزدور کے تلخ اوقات سے اقبال کی گہری دلچسپی کی وجہ سے عتیق صدیقی نے یہ ٹھیک ہی لکھا ہے: ''جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے، اقبال کے ذہن نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا کہ اس ملک کی بیش تر آبادی جو مزدوروں اور کسانوں پر مشتمل ہے۔ اس کے مسائل کی نوعیت وہی ہے جو انقلاب سے پہلے روس کی تھی۔ اسی احساس کے پیشِ نظر اُنھوں نے معاشی تجربے کا دلچسپی سے مطالعہ کیا تھا۔ اور اس سے وہ متاثر بھی ہوئے تھے۔ محمد دین تاثیر کے بیان کے مطابق اقبال نے ''یہ بات متعدد بار واضح الفاظ میں کہی تھی، کہ اگر مجھے کسی مسلم ملک کا سربراہ بنا دیا جائے تو وہ سب سے پہلے اسے سوشلسٹ ریاست بنائیں گے۔''[9]

یہاں اس بات کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جب ۲۲ر نومبر ۱۹۲۰ء میں گاندھی جی نے اپنے ایک خط میں اقبال سے کہا کہ وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی کی قیادت کریں، تو اقبال نے اپنے مکتوبِ گرامی بنام گاندھی جی یہ لکھا: ''(۱) موجودہ حالات کے پیشِ نظر سیاسی آزادی سے پہلے ہمارے لیے معاشی آزادی کا حصول ضروری ہے۔ (۲) مسلمانوں کو بنیادی طور پر ادب و فلسفہ کی نہیں، بلکہ ٹیکنیکل تعلیم دینے کی ضرورت ہے، جو اُنہیں معاشی طور پر آزاد کر سکے گی۔ (۳) ایک ایسا ادارہ بنایا جائے، جو طبعی علوم کے لیے فنی پہلوؤں کی تعلیم کے لیے خاص ہو۔'' اقبال نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کی رہنمائی کے بارے میں لکھا: ''اگرچہ قومی تعلیم کا میں زبردست مؤید ہوں، تاہم میں نہیں سمجھتا ہوں کہ مجھ میں وہ تمام صفات موجود ہیں جو کسی ایسی یونیورسٹی کی رہنمائی کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔''[10]

صحیح بات یہ ہے کہ اقبال نے برِصغیر کے غریبوں اور محنت کشوں کی حمایت میں شعر و نثر میں جو کچھ لکھا، اس سے بے شبہ مذہب، فلسفہ اور ادبِ عالیہ کی صحت مند روایات کو ایک نئی زندگی ملی ہے۔

---

(۹) عتیق صدیقی: اقبال جادوگر ہندی نژاد (دہلی، ۱۹۸۰ء)، ص ۱۱۸۔

(۱۰) ایضاً، ص ۸۸، ۸۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ کثرتِ آبادی کا مسئلہ:

یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اقبال مسلم دنیا کے پہلے مفکر ہیں، جنہوں نے بیسیوں صدی کی پہلی دہائی میں مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ اگر وہ اپنے تمدن اور معیارِ زندگی کو بلند دیکھنا چاہتے ہیں تو اُنہیں شرح پیدائش کم کرنا ہوگی۔ فرماتے ہیں: ''اقتصادی لحاظ سے انسان کی بہبودی اسی میں ہے کہ وہ حتیٰ المقدور اپنی حیوانی خواہشوں کو پورا کرنے سے پرہیز کرے اور جہاں تک ممکن ہو، بچوں کی کم سے کم تعداد پیدا کرے۔ یہ مطلبِ بڑی عمر کی شادی کرنے یا بالفاظ دیگر شرح پیدائش کم کرنے اور نفسانی تقاضوں کو بالعموم ضبط کرنے سے حاصل ہوسکتا ہے[۱۱]''

آج شرح آبادی میں بے ہنگم اضافے سے مشرقی ممالک اور پاکستان جن معاشی مسائل کے نرغے میں ہیں، اس سے ہر کوئی واقف ہے۔ اس مسئلے پر اقبال نے پھر ۱۹۳۶ء میں لکھا: ''شریعتِ اسلامی نے اجتماعی مسائل میں مصالحِ امت کو نظرانداز نہیں کیا اور اس کے تصفیے کو اہلِ علم پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ حالات و مقتضائے وقت کے مطابق ان کا فیصلہ کریں... جہاں تک میرا علم رہنمائی کرتا ہے، شرعاً ضبطِ تولید قابلِ اعتراض نہیں ہے۔'' ۱۹۳۶ء میں ابوالکلام آزاد اور شیخ عبدالمجید سلیم (مصر) نے بھی شرحِ آبادی کو متوازن رکھنے کے لیے اقبال کے نقطۂ نظر سے ملتے جلتے بیانات دیے تھے۔

۴۔ ہندو مسلم مفاہمت:

اقبال جہاں برصغیر کے مسلمانوں کی اخلاقی تربیت، فنی تعلیم اور معاشی اور سیاسی آزادی چاہتے تھے۔ وہاں وہ برصغیر کی بھلائی کے لیے ہندو مسلم مفاہمت کے بھی زبردست حامی تھے۔ اس اہم موضوع پر اُنہوں نے ایک دفعہ فرمایا: ''میرا عقیدہ ہے کہ باشندگانِ ہند اس

(۱۱) محمد اقبال: علم الاقتصاد (لاہور، ۱۹۷۷ء)، ص ۲۶۱۔ یہاں اس بات کا ذکر شاید بے جا نہ ہوگا کہ مصر کے پہلے مسلم گورنر عمر بن العاص نے نمازِ جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے لوگوں کو مشورہ دیا تھا کہ وہ چار باتوں سے بچیں: ۱۔ بڑے کنبے سے (کثرت العیال)، ۲۔ معیارِ زندگی کی پستی سے (انخفاض الحال)، ۳۔ مال و دولت کے ضیاع سے (ضیاع المال)، ۴۔ مہمل گفتگو سے (کثرۃ القیل والقال)۔ ملاحظہ ہو: تغری: النجوم الزاہرۃ فی ملوک القاہرہ، ج ۱، ص ۷۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کارِ عظیم کو (مذہبی تعلیم) سرانجام دینے کے اہل ثابت ہوں گے... نوعِ انسانی کی عام بھلائی کے لیے میں یہاں کے مسلمانوں اور ہندوؤں کی مفاہمت کا متمنی ہوں اور اسے اشد ضروری خیال کرتا ہوں۔ صرف باشندگانِ ہند ہی پرانی دُنیا کے کھنڈروں پر نئے آدم کے لیے نئی دُنیا تعمیر کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں[۱۲]۔''

۵۔ اجتہاد:

برصغیر میں مسلم جماعت کے سماجی مسائل اس قدر الجھ گئے ہیں کہ وہ آج تک الجھے ہوئے ہیں، اور اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم قرآن مجید، اسوۂ رسول ﷺ اور چھ مستند فقہی مکاتب سے استفادہ نہیں کرتے جس کی وجہ سے پوری مسلم قوم خاص کر مسلم خواتین کو دکھوں نے گھیر لیا ہے۔ مثلاً ایک ہی نشست میں دی گئی تین طلاقوں نے خواتین کے وقار کو بری طرح مجروح کیا ہے۔ ان مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تقلید ہے کیوں کہ اجتہاد کا دروازہ دسویں صدی سے بند کر دیا گیا ہے اور کنجی گم ہو گئی ہے۔ اقبال نے سارے کوائف کو سامنے رکھ کر بڑی ژرف نگاہی سے اپنے چھٹے انگریزی لیکچر میں کہا:

(۱) ''قرآن مجید کی تعلیمات کہ زندگی ایک ترقی پسند تخلیقی عمل ہے، اس بات کو ضروری قرار دیتی ہیں کہ ہر نسل کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ماضی سے تعلقات کو توڑے بغیر اپنے مسائل حل کرے[۱۳]۔''

(۲) ''قومی انحطاط کا علاج ماضی کی تاریخ کے ساتھ جھوٹی عقیدت اور مصنوعی ڈھنگ سے اس کے احیاء میں نہیں ہے، عہدِ حاضر کے ایک مصنف نے لکھا ہے: ''تاریخ کا فیصلہ ہے کہ ایسی قوم میں فرسودہ خیالات جی دار ہو کر نہیں ابھرتے جس نے اُنہیں فرسودہ کر دیا ہے[۱۴]۔''

(۱۲) بشیر احمد ڈار: انوارِ اقبال، لاہور (۱۹۷۷ء)، ص ۴۲ (ط۔ اقبال اکادمی)۔

(13) The teaching of the Quran that life is a process of progressive creation necessitates that each generation guided but unhampered by the work of its predecessors should be permitted to solve its own problems. (P.134)

(14) Thus a false reverence for past history and its artificial resurrection constitute no remedy for a people's decay. "The verdict of history as a modern writer has happily put it, "is that worn-out ideas have never risen to power among a people who have worn out." (p.120).

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳) ''برصغیر کے مسلمانوں کی شدید قدامت پسندی کے پیشِ نظر عدالتوں کے جج قدامت پسندی کی راہ پر چلنے پر مجبور ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ زندگی (لوگ) تو حرکت میں ہے لیکن قانون جامد... چنانچہ پنجاب کی کئی خواتین نے اپنے ناپسندیدہ شوہروں سے نجات حاصل کرنے کے لیے ارتداد کی راہ اختیار کی ہے۔''[15]

(۴) ''ہمیں اپنے مسائل کے حل کے لیے حضرت عمرؓ کے اندازِ فکر کو اختیار کرنا ہوگا۔ وہ تاریخِ اسلام میں پہلے آدمی ہیں، جو آزاد اور تنقیدی ذہن رکھتے تھے۔''[16]

حضرات! خاکسار نے یہاں نہایت ہی اختصار کے ساتھ علامہ مرحوم کے افکار کا ذکر کر دیا ہے۔ ان افکار کے آئینہ میں ہم اپنی موجودہ اخلاقی، تعلیمی اور عمرانی زندگی کی صحیح تصویر دیکھ سکتے ہیں۔ ہماری پچاس سالہ تاریخ نے ہمیں بتا دیا ہے کہ ہم اقبال کے افکار پر عمل کیے بغیر اخلاقی، معاشی اور تعلیمی بحران پر قابو نہیں پا سکتے اور اپنی صحت مند روحانی اور سیاسی اقدار کو اپنائے بغیر ہم اپنی قومی زندگی میں برابر تاریکی میں بھٹکتے رہیں گے۔ رہا یہ سوال کہ یہ افکار اقبال کے اپنے ہی وطن میں پنپ کیوں نہ سکے؟ اس پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ خاکسار کی رائے میں ہماری جاگیردارانہ سیاست اور آمرانہ مزاج جمہوری اور اخلاقی کلچر کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ خاکسار محمود میرزا کا شکر گزار ہے کہ اُنھوں نے یہاں اس نامراد کو بات چیت کرنے کا موقعہ فراہم کیا۔

رشید احمد (جالندھری)

---

(15) In view of the intense conservation of the Muslims of India, Indian judges cannot but to stick to what are called standard work. The result is that while people are moving the law remains stationary. (p.134)

(16) Umar, the first critical and independent mind in Islam. (P.129)

© rasailojaraid.com